تصوّرِ انسانیت سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی روشنی میں

❁ ڈاکٹر انصار الدین مدنی

انسانی تاریخ کی بنیاد تخلیق آدم کے بعد پڑی اور اس ابتدائی مرحلے میں انسان نے اپنی بڑائی اور فضیلت کا ثبوت علم کے ذریعے دیا اور اشرف المخلوقات کا الٰہی سند پایا۔ قرآن مجید اس واقعہ کی منظر کشی کچھ اس انداز میں کر رہا ہے:

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خوں ریزی کرے گا؟ جبکہ ہم تیری حمد وثنا کی تسبیح اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور آدم کو تمام نام سکھا دیے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا: تو پاک ومنزہ ہے۔ جو کچھ تو نے ہمیں بتا دیا ہے ہم اس کے سواء کچھ نہیں جانتے۔ یقیناً تو ہی بہتر جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان کے نام بتلا دو، پس جب آدم نے انہیں ان کے نام بتلا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہوں، نیز جس چیز کا تم اظہار کرتے ہو اور جو کچھ تم پوشیدہ رکھتے ہو وہ سب جانتا ہوں۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں

❁ ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ گرینچ یونیورسٹی، پاکستان

سے ہوگیا"۔(۱)

درجہ بالا آیات اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں خلقت آدم کا ذکر ملتا ہے اور ان آیات کی روشنی میں انسانیت کے جد امجد اور ابلیس کے درمیان مخاصمت کی ایک ایسی تحریک اٹھی جو قرآن مجید کے مطابق قیامت تک چلے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"فرمایا: تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا: میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا: یہاں سے اتر جا! تجھے حق نہیں کہ یہاں تکبر کرے پس نکل جا! تیرا شمار ذلیلوں میں ہے۔ بولا: مجھے روز قیامت تک مہلت دے۔ فرمایا: بے شک تجھے مہلت دی گئی۔ بولا: جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان کی گھات میں ضرور بیٹھا رہوں گا۔ پھر ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے ضرور انہیں گھیر لوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ فرمایا: تو یہاں سے ذلیل و مردود ہو کر نکل جا ان میں سے جو بھی تیرا اتباع کرے گا تو میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا"۔(۲)

جہاں تک ابلیس کی بات ہے تو اس ضمن میں مفسرین قرآن لکھتے ہیں کہ:

"ابلیس: بلفظی ترجمہ انتہائی مایوس۔ اصطلاحاً یہ اُس ذحق کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدم اور بنی آدم کے لیے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے۔ اسی کو الشیطان بھی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت شیطان اور ابلیس بھی محض کسی مجرد قوت کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ بھی انسان کی طرح ایک صاحب تشخص ہستی ہے نیز کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہیے کہ یہ فرشتوں میں سے تھا۔ آگے چل کر قرآن نے خود تصریح کر دی ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا، جو فرشتوں سے الگ مخلوقات کی ایک مستقل صنف ہیں"۔(۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تخلیق انسان کے ساتھ ہی برتری کا جو معیار بن گیا وہ ''علم'' ہے اور یہی انسانیت کا پہلا اصول ہے یہی وجہ ہے کہ جب کبھی انسان کی فکر، سوچ اور جذبات وخواہشات کو صحیح سمت ملی ہے تو اس کے پیچھے علم کا عمل دخل رہا ہے کیونکہ حقائق پر مبنی گفتگو انسانی فکر کو جلا بخشتی ہے اور اسے غور وفکر کی طرف راغب کرتی ہے۔ تاریخ کے دامن میں ایسے بے شمار لوگوں کے حالات وواقعات محفوظ ہیں جنہوں نے اپنی کامیاب زندگی کا سفر کسی علمی گفتگو کو سننے کے بعد شروع کیا تھا۔ ظاہر ہے اگر گفتگو میں سچائی اور حقائق پوشیدہ ہوں تو انسانی ذہن فوراً متوجہ ہوتا ہے اور اسے اپناتا ہے جس کی وجہ سے فکری انقلاب ایک یقینی امر ہوتا ہے اور یہی گفتگو نظریات کی تجدید، خیالات میں سنجیدگی اور روشِ زندگی کی تبدیلی کا باعث ہوتی ہے۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس معاشرے سے اپنی دعوت وتبلیغ کے کام کا آغاز فرمایا اس معاشرے کے ہر فرد کو اہل زبان ہونے اور اپنی فصاحت وبلاغت پر گھمنڈ تھا کیونکہ وہ جس خوبصورتی سے اپنے مافی الضمیر کو بذریعہ سخن دوسرے لوگوں تک منتقل کرتے تھے ایسا سلیقہ اور بیان کرنے کا ملکہ بہر حال دوسری کسی قوم کو حاصل نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو اہل عرب یعنی اہل زبان اور دوسری اقوام کو عجم یعنی گونگے سمجھتے تھے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ اپنے بہترین کلام کو خانہ کعبہ کی دیوار سے لٹکا دیا کرتے تھے اور اس بات کی تشہیر بھی کیا کرتے تھے کہ جس کسی کو بھی اس کے متبادل کلام پیش کرنے کی ہمت ہو تو پیش کریں، ظاہر ہے ان کے اس غرور کو ختم کرنے کے لیے قرآن ایک زندہ معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس پیرائے میں قرآن مجید کو نازل فرمایا اور اپنے رسول کے ذریعے یہ اعلان کرایا:

> ''اور اگر تم لوگوں کو اس کے بارے میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا کوئی سورہ بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حامیوں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو''۔(۴)

اس لحاظ سے قرآن مجید نہ صرف ایک زندہ معجزہ ہے بلکہ علوم وفنون، تاریخ وادب، تعلیم وتربیت، ادب واحترام اور ہدایت ونجات حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے۔ قرآن مجید کا اندازِ

بیان اتنا دل کش اور مسرور کن ہے کہ سننے والا کبھی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ اس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ کفار مکہ کے سرکردہ افراد چھپ چھپ کر آنحضرت ﷺ کی زبانی قرآن مجید کی تلاوت سن لیا کرتے تھے۔(۵) حالانکہ دن کے اجالے میں یہی افراد ظلم و بربریت اور دعوت و تبلیغ کی بھرپور مخالفت کیا کرتے تھے اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ اگر صدق دل سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور آیات قرآنی پر غور و فکر کیا جائے تو یہی کیفیت انسان کے دل سے عداوت و دشمنی کے تمام امراض کو دور کر کے اسے پرسکون اور اطمینان کی زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

یعنی انسان ہزار مخالفت کے باوجود بھی مدمقابل کے بہترین کلام اور حقائل پر مبنی گفتگو کے اثرات کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور یہی گفتگو دوسرے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے انسانی فکر آہستہ آہستہ عروج حاصل کرتی ہے اور معاشرے میں ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جو فلاح و بہبود، تعلیم و تربیت، علوم و فنون اور احترام انسانیت کے تمام ضوابط سے واقف ہوتے ہیں ایسے افراد کی کثرت معاشرے سے ظلم و بربریت کے تمام آثار مٹا کر رکھ دیتی ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے لیے شجاعت و بہادری، سخاوت و ہمدردی، صبر و استقامت اور عدل و انصاف کی صفات کے ساتھ ساتھ احترام انسانیت کے جذبہ سے بھی سرشار ہونا چاہیے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اب ہم مادہ انسانیت کا ایک اجمالی خاکہ سامنے لانے کی کوشش کریں گے تاکہ موضوع کا کچھ حق ادا ہو سکے۔

انسان کا لغوی معنی آدمی، ابن آدم، نسل انسانی سے تعلق رکھنے والا اشرف المخلوقات۔(۶) انسان کی ابھی تک کسی نے جامع اور مکمل تعریف نہیں کی ہے۔ یعنی انسان خود انسان کے لئے اجنبی ہے۔ انسان وہ مخلوق ہے جو ظاہری اعتبار سے بہترین صنف رکھتا ہے لیکن اس کی باطنی قوات و احساسات و صلاحیات کے مطابق ابھی تک نہیں پہچانا جا سکا۔(۷) انسان ایک بولنے والا حیوان ہے۔(۸) انسان ایک معاشرتی جانور ہے۔(۹) انسان ارمان و آرزو کرنے والا حیوان ہے۔(۱۰) انسان ایک معاشرتی جانور ہے۔ (۱۱) انسان خود حیوان کی ایک قسم ہے اس صورت

سے دوسرے جانداروں کے ساتھ بہت اشتراک رکھتا ہے لیکن فرق کا ایک سلسلہ اپنے ہم جنسوں میں رکھتا ہے جس نے اس کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کیا ہے یعنی انسان ایسا حیوان ہے جو دو امتیازات علم و ایمان کی وجہ سے دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔(۱۲)

پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے امتیازات کی بنیاد پر ایک خاص پہچان (یعنی انسانیت) رکھتا ہے اور نفع تلاش کرنے والا، خواہشات رکھنے والا اور کمال چاہنے والا۔ انسان کی آگاہی اور اس کی معرفت اشیاء کی ظاہری کیفیت سے گزر کر ذات کے اندر اور اس کے باطن اور اس کے روابط اور اس سے وابستہ اور اس کی فرماں روائی کی ضرورتوں میں داخل ہوتی ہے۔ انسان کا علم نہ مکان کی حدود میں رہتا ہے اور نہ زمانہ کی۔ وہ مکان کو بھی طے کرتا ہے اور زمانے کو بھی وہ اپنی زندگی کے علاوہ بھی آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اپنی گذشتہ تاریخ اور دنیا کی تاریخ یعنی زمین، آسمان، پہاڑوں، دریاؤں اور دوسرے جانداروں کی تاریخ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ امکان سے باہر معلومات کو سوچتا ہے اس سے بالاتر یہ کہ انسان اپنی فکر کو لامتناہی اور ہمیشہ رہنے والے امور تک دوڑاتا ہے۔ انسان اپنی آرزوؤں کو تلاش کرتا ہے اور مادیت سے بالاتر ہو کر دوسرے انسانوں کی آسائش اور خدمت کو اپنی آسائش سے زیادہ اہمیت دیتا ہے جو کانٹا دوسروں کے پیر میں چبھتا ہے ایسا ہے کہ خود اس کے پیر میں بلکہ اس کی آنکھوں میں چبھ گیا ہو۔ دوسروں کا ہمدرد ہوتا ہے۔ دوسروں کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور ان کے رنج و غم سے محزون و غمگین ہوتا ہے۔ اپنے فائدے کو دوسروں کے فوائد پر قربان کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا طلبی جیسے مرض میں مبتلا نہیں رہتا ہے اور نہ ہی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے بلکہ درمیانی راہ اپناتا ہے جو یقیناً انسانیت کو فلاح دینے کا درجہ رکھتی ہے اس بات کی وضاحت کے لیے ہم ایک مثال کا سہارا لیں گے۔

فرض کیجیے کہ کسی کا کوئی بچہ ہے جس کو وہ اسکول میں داخل کرا دیتا ہے اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ بچے کو محض کھانے اور کھیلنے ہی سے دلچسپی ہے تو اسے گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے وہ بچے پر ناراض ہوتا ہے اس کو ڈانٹتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اپنے سبق اور لکھنے پڑھنے میں بھی دلچسپی لے یہ قدرتی بات ہے کہ لکھنے پڑھنے میں دلچسپی، کھیل کود اور کھانے پینے میں دلچسپی کی نسبت دیر میں پیدا ہوتی

ہے اوراس کے لئے بچے کوشوق دلانے اور آمادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ باپ یہ چاہتا ہے کہ بچے کو کھیل کود، کھانے پینے اور آرام کرنے سے نفرت ہو جائے اور وہ ان کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ دے اگر کسی وقت باپ کو یہ محسوس ہو کہ بچہ کھیلنے یا کھانے میں بالکل دلچسپی نہیں لے رہا تو اس کو سخت پریشانی ہوگی اور وہ اس کو بیماری سمجھ کر کسی ڈاکٹر سے رجوع کرے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں ایک تندرست بچے کو اسکول اور کتاب سے دلچسپی ہونی چاہیئے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بچہ چست اور مستعد ہو کھیل کے وقت کھیلے اور کھانے کے وقت کھائے۔ پس جس طرح بچے کی اچھی تربیت کے لئے باپ کا کردار ضروری ہے اسی طرح کامیاب زندگی گزارنے کے انسان کے سامنے ایک عملی نمونہ بھی ہو۔

بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔(۱۳)

ذیل میں ہم تاریخ انسانیت کے سب سے عظیم اور بلند کردار حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ سے کچھ کردار سامنے لائیں گے جو یقیناً انسانیت کا ایک بلند تصور پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ:

> ''دس سالہ مدنی زندگی میں رسول اللہ کا اقتدار شہر مدینہ سے پھیل کر جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین کے دس لاکھ مربع میل پر محیط ہو گیا۔ اس عرصہ میں آپ کو بہت سی لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں، لیکن اس پوری فتح کے لیے دشمن کے بمشکل ڈھائی سو آدمیوں کا خون بہایا گیا اور (اگر بئر معونہ میں دھوکے سے اور احد میں فوجی نافرمانی کے نتیجے میں قتل شدہ ۱۳۰ آدمی مستثنیٰ کر دیے جائیں تو) مسلمانوں کے بمشکل ایک سو آدمی مارے گئے تھے۔ غرض عہدِ نبویؐ میں دس سال تک اوسطاً روزانہ دو سو چھتر مربع میل کا رقبہ فتح ہوا۔ اور مسلمان فوج سے دس سال تک اوسطاً ماہانہ صرف ایک آدمی مارا جاتا رہا''۔(۱۴)

کوئی بھی محقق اس روایت کی روشنی میں حالات حاضرہ (آج مختلف ممالک میں صرف ملکی قوانین کو نافذ کرنے کے لیے یا فرقہ وارانہ وارداتوں میں روزانہ ہزاروں انسانی جانیں ضائع

ہوتی ہیں) کا جائزہ لینے لگے گا تو وہ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ واقعی اسلام میں جو احترام انسانی جان کا ہے وہ کسی اور دھرم، مذہب میں ممکن ہی نہیں ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے کیسے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں نہایت ہی صبر وتحمل کے ساتھ زندگی گزاری؟ جس کے متعلق سیرت نگار یہ لکھتے ہیں:

''ابولہب کی بیوی ام جمیلہ جس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ جو ابوسفیان کی بہن ہے پیش پیش تھی وہ دن بھر جنگل میں کانٹے اور خاردار ٹہنیاں چنتی رہتی تھی اور رات کو حضور کے راستہ میں پھینک دیتی تھی'' (۱۵)

جب آنحضرت ﷺ کے پیران کانٹوں سے لہولہان ہوتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان پر مرہم رکھتیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیا کرتیں۔ آنحضرتؐ کے پڑوسی بھی آئے دن آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے رہتے تھے۔

''بغض باطنی کا اس طرح بھی اظہار کیا کرتے تھے کہ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے حضور کے کاشانہ اقدس میں ڈال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص حضور کے پڑوسی تھے اور ان کا ہر روز کا یہ معمول تھا''۔ (۱۶)

صرف یہ نہیں بلکہ:

''مکہ میں ابولہب حضورؐ کا قریب ترین ہمسایہ تھا۔ دونوں کے گھر ایک دیوار بیچ واقع تھے۔ اس کے علاوہ حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء الثقفی اور ابن الاصداء الھذلی بھی آپ ﷺ کے ہمسائے تھے۔ یہ لوگ گھر میں بھی حضور اکرم ﷺ کو چین نہیں لینے دیتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی نماز پڑھ رہے ہوتے تو یہ اوپر سے بکری کا اوجھڑی آپ ﷺ پر پھینک دیتے۔ کبھی صحن میں کھانا پک رہا ہوتا تو یہ ہنڈیا پر غلاظت پھینک دیتے''۔ (۱۷)

یعنی کفار ومشرکین یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ہم آنحضرت ﷺ کو پریشانی اور تکلیف میں مبتلا رکھ کر دعوت وتبلیغ کے کاموں سے روکیں گے مگر آپؐ ان بدترین ہمسایوں کے درمیان رہتے

ہوئے نہ صرف انہیں خیر کی طرف بلاتے رہے بلکہ ان کی پریشانیوں اور دکھ درد میں بھی شریک رہتے تھے۔

''مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو حتیٰ کہ غیر مسلموں تک کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے''۔(۱۸)

اس کے باوجود دشمنان اسلام نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے معاشرے کے ہر طبقہ فکر کو آپ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے جن جھوٹی باتوں اور من گھڑت کہانیوں کو عام کیا تھا اس کے متعلق قرآن مجید وضاحت کرتا ہے۔

''اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے ہاں تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور یہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے جس پر تم بہت کم غور کرتے یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے''۔(۱۹)

دوسری جگہ آیا ہے:

''لہٰذا آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں۔ خدا کے فضل سے آپ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون''۔(۲۰)

مندرجہ بالا آیات میں دشمنان اسلام کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی ذات پر تین طرح کے الزامات لگائے گئے۔ یعنی آپ ﷺ شاعر، کاہن اور مجنون ہیں۔ بظاہر یہ معمولی الزامات ہیں مگر حقیقت میں دشمنان اسلام نے نہایت ہی چالاکی سے آپ کی سیرت طیبہ پر حملہ کیا تھا اور سوچ سمجھ کر ان باتوں کو معاشرے میں مشہور کرانا چاہتے تھے۔ تاکہ معاشرے کے کاروباری اور معروف افراد آنحضرت ﷺ کو ایک شاعر سمجھ کر نظر انداز قریب آنے سے کترائیں اور عورتیں آپ ؐ کو کاہن سمجھ کر نزدیک نہ آئیں کیونکہ عورتیں سحر، جادو اور اس سے متعلق چیزوں سے بہت زیادہ خائف ہو جاتی ہیں۔ مجنون کے ذریعہ بچوں کے لیے سامان تفریح فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ بچے دیوانے کو چھیڑنے کے شوق پر عمل پیرا ہو سکیں مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً مذکورہ آیتوں کے ذریعے آنحضرت ﷺ پر لگائے گئے تمام الزامات کی نفی کی۔ اللہ کے آخری حبیب ﷺ ان الزامات سے رنجیدہ ہونے کے بجائے انہیں لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے دن رات سرگرم عمل رہتے تھے:

''حضوری عمر کوئی پینتیس سال کی ہوگی کہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔لوگ فاقوں مرنے لگے۔گراں فروش اور سود خور تاجروں کی بن آئی۔غریبوں کے لیے موت آ گئی۔ حضرت محمدؐ اور خدیجہ نے کئی اور خدا ترسوں کی طرح اپنی تھیلیوں کے منہ کھولدیئے باہر سے غلہ منگا کر مفت تقسیم کیا۔اور سینکڑوں کو موت کے منہ سے بچایا''۔(۲۱)

درجہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رحمت عالم ﷺ اپنے بدترین مخالفین کو بھی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا بھرپور موقع فراہم کرتے اور انہیں قدرتی آفات سے بھی بچانے کے لیے بھی سرگرم عمل رہتے تھے اور اپنے مال سے اتنا کچھ نکال کر انہیں دیتے تھے جس سے وہ اس ناگہانی مصیبت سے بچنے کے اسباب تلاش کر سکیں۔اور آپ ﷺ بلا تخصیص مذہب اور قبائلی عصبیت کے دکھی انسانیت کی خدمت اور مدد کر کے انسان دوستی کے اصول معین کیے اور اپنے ماننے والوں کو خدمت میں تخصیص اور تفریق نہ کرنے کا پابند بنایا۔اس طرح آنحضرت ﷺ نے آزاد انسانوں کو غلامی کی زنجیروں سے محفوظ اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے جو اقدامات کیے اس کے متعلق سیرت نگار لکھتے ہیں۔بعثت کے بعد آپؐ نے خفیہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا ابتدائی طور پر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی اکثریت غلاموں اور غریبوں پر مشتمل تھی چنانچہ آئے دن غلاموں پر کفار مکہ کی طرف سے ظلم وزیادتی کے نئے نئے طریقے آزمائے جاتے تھے۔آنحضرت ﷺ مسلمان غلاموں کی یہ حالت دیکھ کر غم زدہ ہوتے تھے اور آپ ﷺ کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ انہیں خرید کر آزاد فرمائیں۔اکثر اوقات آپؐ صاحب حیثیت صحابہ کرام کو اس بات کے لیے آمادہ فرماتے تھے کہ وہ غلام وکنیز کو خرید کر آزاد کریں۔جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ کی طرف سے آزادی پانے والے غلاموں کی تفصیل ملتی ہے۔جہاں تک آنحضرت ﷺ کی طرف سے غلام وکنیز کو آزاد کرنے کی بات ہے تو اس کی مکمل تفصیل نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے کتنے غلام وکنیز آزاد کیے اور ہجرت کے بعد کتنے آزاد کیے البتہ تمام سیرت نگار اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً غلام وکنیز آزاد فرماتے رہتے تھے۔جیسا کہ علامہ طبری نے آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں کی حتمی تعداد بتائے بغیر آپ ﷺ کے ذریعے آزادی

پانے والے بعض غلاموں کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ وہ زید بن حارثہ، ثوبان شقران، ابورافع، سلمان الفارسی، سفینہ، انسۃ ابومسرح، ابوکبشہ، ابومویہبہ، رباح الاسود، فضالہ مدعم، ابوضمیرہ، یسار، مہران، مابوراور ابوبکرہ جیسے سترہ غلاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابورافع کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں۔

''آپ ﷺ نے ان کو آزاد کردیا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے کو جن کا نام رافع ہے اور اس کے بھائی عبیداللہ بن ابی رافع کو بھی آزاد کردیا'' (۲۲)

جب کہ ابوبکرہ کے سلسلے یوں رقم طراز ہیں۔

''جب رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا ان کے چار غلام طائف سے نکل کر آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے ان کو آزاد کردیا۔ ان میں سے ایک ابوبکرہ ہیں''۔ (۲۳)

اس طرح علامہ طبری کی عبارت سے کل بائیس آزادہ کردہ غلاموں کا تصور تو ملتا ہے مگر متن کتاب میں تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم حتمی طور پر بائیس کا عدد علامہ طبری سے منسوب نہیں کر سکتے ہیں۔ اس طرح علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ میں آنحضرتؐ کے آزاد کردہ مشہور غلام کا عنوان دے کر ان میں سے آٹھ غلاموں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ جن میں زید بن حارثہ، ابورافع، شقران، انجشہ، رباح، یسار، سفینہ اور مامور شامل ہیں۔ یہاں علامہ حلبی نے سلمان فارسی کے متعلق یہ وضاحت کی ہے۔ حضرت سلمان فارسی کو

''آپ ﷺ کا آزاد کردہ غلام اس لیے کہا گیا کہ آپ ﷺ نے ان کی طرف سے ان کی آزادی کی قیمت ادا فرمائی تھی''۔ (۲۴)

اس کے علاوہ علامہ حلبی یہ بھی لکھتے ہیں:

''مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض وفات میں چالیس غلام آزاد فرمائے۔ عورتوں میں جن کنیزوں کو آپ ﷺ نے آزاد فرمایا ان میں ام ایمن، امیمہ اور سیرین ہیں''۔ (۲۵)

ابن کثیر کے ہاں آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلاموں اور کنیزوں کی جو تفصیلات ملتی ہیں۔ ان میں اڑتیس ۳۸ غلام اور بیس ۲۰ لونڈیاں شامل ہیں۔(۲۶)

مندرجہ بالا عبارتوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیرت نگاروں نے جنہیں آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام و کنیز کے طور پر پیش کر کے ان کا مختصر تعارف کرایا ہے ان کی تعداد بیس، باون اور اٹھاون تک بنتی ہے یعنی سیرت نگاروں نے ان غلاموں و کنیزوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے آزادی پانے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کا دامن نہیں چھوڑا جس کی وجہ سے ان کا کردار تاریخ میں ملتا ہے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کی طرف سے غلاموں کو آزادی دلانے کی یا آزادی دینے کی بات ہے تو سیرت کی کسی کتاب میں اس بات کے شواہد نہیں ملتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے غلاموں کو صرف اس شرط پر آزاد کیا ہو کہ وہ آزادی پانے کے بعد بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں یا اعلان نبوت کے بعد جن غلاموں کو آزادی ملی تھی انہیں اس بات کا پابند بنایا گیا ہو کہ وہ ہر صورت میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ اس اعتبار سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یقیناً اعلان نبوت سے اپنی وفات تک برابر غلامی کی رسم کی حوصلہ شکنی فرماتے رہے جیسا کہ سابقہ روایت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپؐ نے اپنے مرض وفات کے دوران بھی بیک وقت چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں یہ بات شامل تھی کہ آپ ﷺ غلاموں کو آزادی دلا کر سکون محسوس کرتے تھے ظاہر بات ہے کہ اس سکون کو ہم صرف مدنی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں کر سکتے ہیں بلکہ مکی زندگی میں بھی آپ یقیناً غلاموں کو آزادی دلا کر سکون محسوس کرتے رہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے پاس حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے دیئے ہوئے سرمایئے کی شکل میں دولت کی کوئی کمی بھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غلاموں و کنیزوں کی آزادی پر زور دینے کا عمل مکی زندگی سے ہی آغاز فرمایا تھا۔ تو پھر آپ ﷺ کیسے اس عملِ نیک کی انجام دہی سے باز رہے؟ جب کہ آپ ﷺ ہمیشہ نیک کام کی ابتداء اپنی ذات سے کرتے تھے۔

اس لحاظ سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد بھی بہت سے غلاموں وکنیزوں کو آزادی جیسی نعمت سے مالا مال کیا۔ اس بات کو اگر ہم اس تناظر میں دیکھیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا عقد جب آنحضرت ﷺ سے ہوا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی خوشی کے اظہار کے طور پر بہت سے غلاموں وکنیزوں کو آزاد فرمایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دور میں بھی اظہار خوشی کا ایک انداز غلاموں کی آزادی کی شکل میں موجود تھا اس اعتبار سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مقام ومنصب اسلامی تعلیمات کی شکل میں ملا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ غلامی کی لعنت سے معاشرے کو پاک کیا جائے۔

> نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی اس شخص کا حصہ ہے جو اللہ اور آخرت، ملائکہ اور کتاب پر ایمان لے آئے اور محبت خدا میں قراب داروں، یتیموں، مسکینوں، غربت زدہ مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے اور جو بھی عہد کرے اسے پورا کرے اور فقر وفاقہ میں اور پریشانیوں اور بیماریوں میں اور میدان جنگ کے حالات میں صبر کرنے والے ہوں تو یہی لوگ اپنے دعوائے ایمان واحسان میں سچے ہیں اور یہی صاحبان تقویٰ اور پرہیز گار ہیں۔(۲۷)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

> صدقات وخیرات بس فقراء، مساکین اور ان کے کام کرنے والے اور جن کی تالیف قلب کی جاتی ہے اور غلاموں کی گردن کی آزادی میں اور قرض داروں کے لیے اور راہ خدا میں اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت ولا ہے۔(۲۸)

مذکورہ دونوں آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ اسلام نے غلامی کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس پر خود عمل کیا بلکہ اپنے ماننے

والوں کو بھی اس معاشرتی برائی کو ختم کرنے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ تاریخ اس بات کی بھی گواہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کہنے پر صحابہ کرامؓ نے بھی بے شمار غلام و کنیز آزاد فرمائیے۔ یعنی اسلام تعلیمات کی شکل میں انسانیت کو جو تحفظ ملا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جبل الرحمۃ پر سے میدانِ عرفات کے ایک لاکھ چالیس ہزار حاضرین (۲۹) کو حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ انسانیت کے لیے مکمل نصاب ہے۔ اس کا مختصر جائزہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

- اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔
- اللہ کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی نصیحت۔
- آئندہ سال تک اس جگہ دوبارہ نہ ملنے کا خدشہ۔
- قیامت تک کے لیے خون، مال اور عزتوں کا خیال رکھنے کا حکم۔
- امانت داری کی صفت پیدا کرنے کی تائید۔
- سود اور ظلم سے بچنے کی تلقین۔
- جاہلیت کے خون اور عہدوں کو ختم کرنے اور قتل عمد پر قصاص کا اعلان۔
- شیطان اور شیطانی کاموں سے آگاہ رہ کر بچنے کا حکم۔
- حلال و حرام کا خیال رکھنے اور شرک سے ہمیشہ ہمیشہ دور رہنے کی تاکید۔
- عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کی تلقین۔
- اخوت کے رشتے کو مضبوط کرنے پر زور۔
- گمراہی سے بچنے کے لیے ثقلین سے تمسک رکھنے کا حکم۔
- وراثت اور وارث کے حدود و قیود مقرر کرنا۔
- اللہ کے ہاں فضیلت پانے کا معیار تقویٰ کو قرار دینا۔ (۳۰)

آخر میں ہم محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پوری حیات طیبہ کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جن حالات میں انسان کو ذلت و پستی سے اٹھا کر اسے

کمالِ انسانیت کا سبق سکھایا اور قیامت تک کے لیے ایک ایسا ضابطہ حیات عطا کیا کہ جس کی بدولت آج دنیا کے مختلف گوشوں سے بنیادی حقوق اور انسانی حقوق کے نعرے بلند ہو رہے ہیں درحقیقت یہ آج سے چودہ سو سال پہلے کی تربیت اور قرآنی شعور کا مرہون منت ہے مگر افسوس! اس کے باوجود آج امت مسلمہ انتشار کا شکار ہے۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ آخر رسول رحمت ﷺ کے ماننے والوں کے درمیاں ایسے افراد کہاں سے آئے ہوئے ہیں جن کی پیاس صرف بے گناہوں کے خون سی ہی بجھتی ہے، جو عبادت گاہوں کو ویران دیکھنا پسند کرتے ہیں اور جن کی شخصیت میں نمایاں صفات تعصب، نفرت، کدورت، دشمنی، منافقت، حسد، کینہ اور انسانیت سوز کاموں پر مشتمل ہے۔ ایسے افراد چاہے کسی بھی معاشرے میں ہوں وہ معاشرہ کبھی بھی ارتقائی منازل طے نہیں کر سکتا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن، ۲: ۳۰۔۳۴

۲۔ القرآن، ۷: ۱۲۔۱۵

۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد اوّل، ص ۶۵۔۶۶، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۸ء

۴۔ القرآن، ۲: ۲۳

۵۔ الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی ﷺ، ج ۲، ص ۲۹۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۵ھ

۶۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص، ۲۴۵، شاہکار بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء

۷۔ محمد طاہر، اولیائے کرام اور ہدایت بشری، ۱۲، مدنی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶

۸۔ مظفر، محمد رضا، منطق، ص، ۱۳، انتشارات حکمت، تہران، ۱۴۰۶ھ

۹۔ محمد طاہر، اولیائے کرام اور ہدایت بشری، ۱۹، مدنی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶

۱۱۔ اصول عمرانیات، ص، ۶۴، غلام مرتضیٰ شاکر ترک، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۲۔ محمد طاہر، اولیائے کرام اور ہدایت بشری، ۲۵، مدنی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶

۱۳۔ القرآن، ۲۱:۳۳
۱۴۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، قانون بین الممالک، ص ۳۴، مکتبہ ابراہیمیہ، دکن، ۱۳۶۴ھ
۱۵۔ الازھری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ج ۲، ص ۳۰۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ
۱۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۰۶۔۳۰۷
۱۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سیرت سرور عالم ﷺ، ج ۲، ص ۵۰۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اگست ۱۹۷۹ء
۱۸۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، حافظ، شمائل ترمذی، مترجم مولانا محمد زکریا، ص ۲۸۲۔۲۸۳، میر محمد کتب خانہ، کراچی، سن ندارد
۱۹۔ القرآن، ۶۹:۴۰۔۴۳ ۲۰۔ القرآن، ۵۲:۲۹
۲۱۔ محمد اسمٰعیل، سید، رسول عربی اور عصر جدید، ص ۱۰۰، مکتبہ القریش، لاہور، ۱۹۸۸ء
۲۲۔ الطبری، علامہ ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، مترجم سید محمد ابراہیم، حصہ اول، ص ۵۰۳
۲۳۔ ایضاً، حصہ اول، ص ۵۰۱۔۵۰۵
۲۴۔ حلبی، علامہ علی ابن برہان الدین، ام السیر سیرۃ حلبیہ اردو، مترجم مولانا محمد اسلم قاسمی، جلد اوّل نصف آخر، ص ۴۴۴
۲۵۔ ایضاً، جلد اول نصف آخر، ص ۴۴۴
۲۶۔ ابن کثیر، علامہ حافظ ابوالفد اعماد الدین، تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، مترجم پروفیسر کوکب شادانی، ج ۵، ص ۵۳۴۔۵۶۶
۲۷۔ القرآن، ۲:۱۷۷ ۲۸۔ القرآن، ۹:۶۰
۲۹۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۳۳۶، ادارۃ الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۰ء
۳۰۔ ابن کثیر، ابوالفد اعماد الدین، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۰۷، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۷۷، مروج الذہب ومعادن الجواہر، ص ۲۲۲، الرحیق المختوم، ص ۵۵۰

پیارے بچوں کے لیے

پیارے نبیؐ کی سیرتِ طیبہ

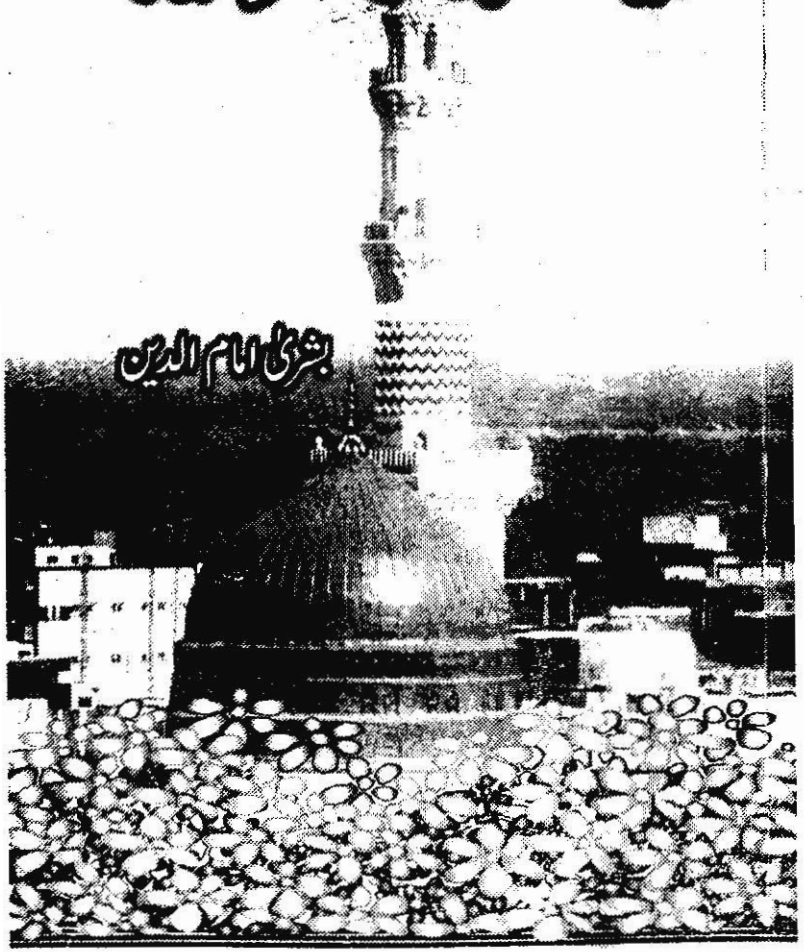

بشریٰ امام الدین

دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد